

ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو شائع ہوتا ہے

جسٹریٹس ڈائری نمبر ۲۶۵

مجلس مرکزی حزب انصار بھیرہ و ادارہ عالیہ محمد کیترجمان

فیضت سالانہ
معاونین سے
عوام سے
کاتب سے

شمس الاسلام

جلد ۱ بھیرہ و پنجاب شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۴ء نمبر

آل انڈیا احناف کانفرنس امرتسر

جمعیتہ احناف ضلع امرتسر نے فیصلہ کیا ہے کہ ماہ نومبر ۱۹۴۴ء میں امرتسر شہر میں وسیع پیمانہ پر آل انڈیا احناف کانفرنس منعقد کی جائے۔ جس میں شرکت کی دعوت ہندوستان کے تمام صوبوں کے سرکردہ حنفی علماء و مشائخ و رؤسا کو (عام اس سے کہ وہ دیوبندی ہوں یا بریلوی، مسلم لیگی ہوں یا احراری یا کانگریسی) دی جائے۔ اور احناف ہند کی تنظیم اور ایک مضبوط تبلیغی نظام کے قیام اور اس کے وسائل پر غور کیا جائے۔ تاریخوں کا تعین اور صدر کا انتخاب ابھی تک نہیں ہوا۔ جن حنفی بھائیوں کو اس تحریک سے دلچسپی ہو، وہ راقم الحروف کو اپنے مفید مشوروں سے جلد مطلع فرمائیں۔

پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی۔ ناظم جمعیتہ الاحناف۔ امرتسر

سرخ پیل کا نشان۔ یہاں ان حضرات کے پرچہ پر سرخ پیل کا نشان لگایا گیا ہے جسکے چندہ کی میعاد اس پرچہ کیساتھ ختم ہو چکی ہے ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ آئندہ سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر جلد روانہ فرمائیں اگر خدا انخواستہ کسی وجہ سے آئندہ خریداری کا ارادہ نہ ہو تو بذریعہ پوسٹ کارڈ ہمیں پہلی فرصت میں مطلع کریں۔ غاموشی کی صورت میں آئندہ کا پرچہ بذریعہ ڈی پی ارسال خدمت ہوگا جس کا وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ (علامہ حسین مینجر)

(باہتمام علامہ حسین مینجر ایڈیٹر ریڈیو پبلشر مندر بریس سرگودھا سے جھیکر بھیرہ (پنجاب) سے شائع ہوا)

”شہنشاہ کون ہے؟“

(طالوت)

نہیں محمودِ مصری کے یہ کر ٹوت میاں محمود قدّنی خود ہیں ”شہنشاہ“
 وہی ”استاذ“ ہیں اس دہل کے بھی وہی اس سحر کے ہاروت و ماروت
 وہی ہیں شاخِ حنظل جو دکھا کر یہ کہتے ہیں کہ ہے یہ شاخِ شہنشاہ
 اُمیدِ راستی اس سے بھلا کیا؟ ارے دجالِ اکبر ہو جو پوت
 انوکھی طرز ہے تبلیغ کی یہ کہ وہ کہنے لگے ہیں بات کو بوت
 جو سچا مانتے ہیں میسز اکو، میرے نزدیک ہیں وہ اوت کے اوت

میاں محمود ہیں ”جالوت“ دُوراں

الہی تو بتا ہم سب کو ”طالوت“

حقیقتِ مرزائیت

مولفہ مولوی عبدالکریم صاحب مباہلہ سابق مبلغ
 مرزائیت - مرزائی چالبازیوں کو طشتِ اربابم کرنیوالی
 کتاب قیمت ۱ - محصول الگ -

حقیقتِ مرزائیت

مولفہ مولانا علم الدین صاحب
 مرزائی و مصرم کی تردید میں بہترین کتاب ہے قیمت ۱ -
 علاوہ محصول الگ -

ملنے کا پتہ :-

پیرزادہ محمد بہاء الحق قاسمی - گلوالی دروازہ - امرتسر

شذرات

(۲۱۷)

ہندو اخباروں کی حتمی زبان - اخبار ملاپ
لاہور ۱۹ جون

کی ایک خبر ہے :-

”فرانس میں امریکن سینا کے سینا تپنی نے بھان
دیتے ہوئے بتایا ہے کہ اتحادیوں کو فرانس کے
ناکے پر کسی پرکار کوئی مجھے نہیں۔ پرتو اس مہا
کار میں ۱۵ ہزار ۸ سو ۸۳ سپاہی کام آئے یا
گھائل ہوئے۔ اس میں ۱۲ ہزار ۹ سو امریکن سپاہی
گھائل ہوئے اور تین ہزار ۲ سو ۸۳ کام آئے،
مزید بتایا کہ شر بورگ میں سینک ڈائی کم ہوئی
مگر فرانس کی بھومی پر آتش سے بڑھ کر نقصان ہوا
ہے۔ دونوں کے پار سینٹ سوپور میں مستر
سینا آگے بڑھ رہی ہے۔ (مائٹ)

اس خبر کو بار بار پڑھئے اور بتائیے کہ آپ کیا سمجھے؟ آپ یقین
کیجئے کہ ”یرو ملاپ“ کا اقتباس ہے۔ ہندی ملاپ کی عبارت
نہیں۔ یہ شمالی ہند میں سب سے زیادہ چھپنے والے اور شمالی
ہند کے باشندوں کو خبردار رکھنے والے اخبار کی خبر ہے جنوبی
ہند میں شائع ہونے والے جنوبی ہند کے ہندوؤں کو اطلاع
دینے والے اخبار کی اطلاع نہیں۔ پرتاپ اور دوسرے ہندو
اخبار عرصہ سے اردو زبان کو ”شدھ کرنے“ یعنی اس کا حلیہ
بگڑانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب ملاپ بھی اس میدان میں قدم
رکھنے لگا ہے۔ ہندو قوم ہمہ تن آج کل اس طرف متوجہ ہے
کہ فارسی، عربی، بلکہ عام فہم اور معمولی بول چال کے دوسرے
الفاظ بھی اردو زبان سے چن چن کر نکال باہر پھینکے اور

سنسکرت کے بھلدی بھرم، غیر مانوس الفاظ ٹھونسے چلے جاتے
ہیں۔ اخباروں کے ذریعہ، سینماؤں کے ذریعہ اشتہارات
و اعلانات کے ذریعہ، غرض پراپیگنڈے کے تمام ذرائع کو کام
میں لا کر اس ”جہاد عظیم“ میں مشغول ہے۔ اور چشم بد دور آل
انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی والے بھی اس کار خیر میں خوب دلچسپی
سے حصہ لے رہے ہیں۔ بحرالکمال کی جگہ شانت ہما ساگر بحیرہ
روم کی جگہ روم کی ساگر، اوریئز عرب ساگر، ہند ساگر،
خلج بنگال کو بنگال کی کھاڑی اور جزیرہ کوٹاپو وغیرہ وغیرہ کے
لگے ہیں۔ پتہ نہیں ان کو کیا خط ہو گیا ہے۔ آخر قصب و تنگ
نظری کی بھی تو کوئی حد ہوتی ہے۔ اس کار و عمل ضرور یہی ہوگا
اور ہونا چاہئے کہ مسلمان ایسے متعصب اور عربی، فارسی زبانوں
سے بغض رکھنے والے اخبارات کی خریداری بند کریں، اور نظم
کوشش کریں کہ عربی اور فارسی زبان کے الفاظ کثرت سے اردو
میں استعمال کرنے لگ جائیں۔

انصاف سے بتایا جائے ملاپ کی مندرجہ بالا خبر کے ان
الفاظ کو کتنے قارئین اخبار نے پڑھ کر سمجھا ہوگا۔ اور جب اس
جناتی زبان کو کوئی سمجھتا نہیں تو ضرورت کیا ہے کہ خواہ مخواہ
کانڈ کی رو سیاہی کی جاتی اور خریداروں سے پیسے ہٹوے
جاتے ہیں۔

ہندوستان میں جواز سود کا مسئلہ - نکبت و اظلم
ہوئی مسلمان قوم کے ”کاروان“ کو ”متاع کاروان“ کے جاتے ہیں
کے بعد اب کچھ عرصہ سے ”احساس زبان“ ہونے لگا ہے اور
مختلف حلقوں میں یہ تدبیریں سوچی جا رہی ہیں کہ مسلمانوں کے

اور ایک حرام قطعی کے متعلق حکم دیتے ہوئے ان مختصر الفاظ میں بات کو ختم کرنا صحیح نہیں۔ یہ مسئلہ اپنے اصول و فروع کے اعتبار سے کافی طویل الذیل اور تشریح طلب ہے۔ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں۔ اور اگر ہے تو اس میں سود کے جواز کا حکم ہے یا نہیں! اور اگر ہے تو کیا صرف غیر مسلموں سے لینا جائز ہے یا مطلقاً، اور قرآن مجید سے ثابت شدہ قطعی حکم حرمت کے مقابلہ میں ایک فقہی روایت کی صورت میں احتیاط کا تقاضا کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

بہت سے مباحث ایسے ہیں کہ ان کا ابھی قطعی اور اکثری فیصلہ نہیں ہو سکا ہے اور یہ صرف علمائے دین کے لئے جائز ہے کہ وہ قرآن وحدیث اور فقہ و اصول کی روشنی میں ان تمام باتوں پر غور کر کے ایک بات کو مفتح کریں۔ اور اس کو ایک متفقہ فتویٰ کی صورت میں شائع کریں۔ اس کے بغیر کسی فرد واحد کا قول خواہ وہ کیسا بخلیص اور مسلمان قوم کا غیر خواہ ہو اور سب کچھ قوم کی بھلائی کے لئے کہہ رہا ہو ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ شرعی اصول کی بنا پر اب تک تو علماء کا فتویٰ یہی رہا ہے کہ بیمہ کمپنیاں اور بنکیوں کا سارا نظام غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے۔ اور اگر کسی کو مجبوراً اور اضطراراً بنک میں روپیہ رکھنا پڑتا ہے تو وہ بھی ”سود“ لے کر اپنے کسی مصرف میں نہ لائے۔ بلکہ ایک ”فال غیر طیب“ سمجھ کر برأت ذمہ کے قصد سے کسی مسکین کو دیدے۔ اور اس دینے پر ثواب کا بھی امیدوار نہ رہے۔

خط و کتابت

کرتے وقت چھٹ نمبر کا حال ضرور دیں۔ ورنہ عدم تعمیل معاف۔

آرڈر دیتے وقت اپنا مکمل پتہ۔ نزدیکی ڈاکخانہ کا نام خوشخط تحریر کریں۔ تاکہ تعمیل میں وقت نہ ہو (میلنگز)

موجودہ افلاس، غربت اور بہارِ وطن سے اقتصادی میدان میں پیچھے رہنے کی مصیبت کو کس کس طرح ختم کیا جائے تاکہ مسلمان ہندوستان میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر باعزت و باوقار زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔ چنانچہ اس موجودہ اقتصادی زوال کے علاج کے لئے مختلف مضامین اور اہل فکر و تدبیر کے مقالات پہلے بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور اب اخبار ”زمزم“ لاہور میں عام ارباب و دانش اور ماہرین اقتصادیات کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اس سلسلہ کے مضامین ”زمزم“ میں اشاعت کے لئے بھیجیں کریں چنانچہ چند مہینوں سے یہ سلسلہ باقاعدہ جاری ہے اور بہت سے اہل قلم حضرات اور قابل مضمون نگاروں نے اس کار خیر میں شریک ہو کر اپنے مشوروں اور تجزیوں سے قوم کو آگاہ کیا۔ خدا کرے کہ ان سے استفادہ کر کے قوم کے افراد کچھ اپنی بگڑی کے سنوارنے کی کوششیں شروع کریں۔ اور جس پیمانہ سے بھی ہوں اس میدان میں آگے بڑھ کر عملی کام کرنے لگ جائیں۔

لیکن مذہبی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اس موقع پر ہم کو بھی ایک تنبیہ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس سلسلہ مضامین کے شروع ہونے سے قبل بھی بعض صرف سیاسی قسم کے دماغ رکھنے والوں کی تحریروں میں اور موجودہ سلسلہ کے بعض مقالات میں بھی بار بار دہرایا جا رہا ہے۔ کہ مسلمانوں کی اقتصادی ترقی کے مختلف اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے، کہ وہ بیمہ کمپنیاں قائم کریں۔ بنک کا کاروبار جاری کریں۔ اور ”تجارتی سود“ کا لین دین کھلے طور پر شروع کر دیں۔ بیمہ اور بنک کے لفظ میں چونکہ لفظ ”سود“ داخل نہیں اُن کو تو وہ بغیر کسی تاویل و توجیہ و تشریح و تفصیل کے ذکر کر کے اس کا مشورہ دیتے ہیں لیکن ”تجارتی سود“ میں لفظ ”سود“ سے مسلمانوں کی وحشت اٹھنا مانوس کی وہ بھی محسوس کر کے اس کے متعلق مفتیانہ شان سے گفتگو کرنے لگ جاتے ہیں۔ کہ ”ہندوستان دارالحرب ہے اور دارالحرب میں سود لینا نہ ہوا جائز ہے“ اتنے بڑے اہم مسئلے

چند تاریخی حواہر ریزے

(از مولانا سید سیاح الدین کا کاخیل رکن ۱۰۱۷۱)

۱۱۱۱ھ کا واقعہ ہے۔ سرزمین اندلس میں معتد بن معتضد اشبیلیہ کا بادشاہ تھا۔ اس کی کمزور حالت کو دیکھ کر اس کے استیصال کی غرض سے الفانسو چہارم (عیسائی بادشاہ) دریائے وادی الکبیر کے کنارے اشبیلیہ کے محاذ میں آ کر خیمہ زن ہوا۔ اور معتد کو لکھا کہ فوراً شہر اور محلات شاہی میرے لئے خالی کر دو۔ معتد نے اس خط کی پشت پر جواب لکھ کر بھیج دیا کہ ہم انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد تجھ کو تیری گستاخیوں کا مزہ چکھا دیں گے۔ اس مختصر جواب سے الفانسو کے قلب پر رعب طاری ہو گیا۔ اور وہ اشبیلیہ پر حملہ کی جرأت نہ کر سکا۔ مگر اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ تمام ملک اندلس میں پروپیگنڈا کیا کہ معتد عبادی نے یوسف بن تاشقین کو اپنی مدد کے لئے قریش سے بلایا ہے۔ اس خبر کی شہرت سے مقصد یہ تھا کہ علم امراء و رؤسا ملک بھر تک اٹھیں چنانچہ اس خبر کے مشہور ہوتے ہی مسلمان سرداران ملک نے معتد بادشاہ اشبیلیہ کو لعنت ملاحت کے خطوط لکھے کہ تو نے یوسف بن تاشقین کو کہیں اندلس میں بلانا گوارا کیا۔ معتد نے ان سب کو یہ جواب لکھا کہ :-

”مجھ کو خنزیروں کی پاسمانی سے اونٹوں کی

نگہبانی کرنا پسند ہے۔“ مطلب یہ تھا کہ الفانسو مجھے گرفتار کر کے خنزیروں کے چرانے کی خدمت لے گا۔ اور یوسف بن تاشقین اگر اندلس پر خود قابض ہو کر اور مجھ کو گرفتار کر کے مراقش لے گیا تو وہاں مجھ سے اونٹ چرانے کی خدمت لیگا۔ یعنی میں الفانسو کا قیدی بننا گوارا نہیں کر سکتا۔ اور یوسف کا قیدی بننا گوارا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس کے بعد معتد نے وفد بھیج کر یوسف کو مراقش سے اندلس بلایا اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی درخواست کی۔ یوسف مسلمانوں کی زبردست فوج لے کر حملہ آور ہوا۔ اور چند سال کی متعد لڑائیوں کے بعد ۱۱۸۵ھ میں تمام اسلامی اندلس یوسف بن تاشقین کے تحت و تصرف میں آ گیا۔ اور اس طرح وہ ملک جو پارہ پارہ ہو کر عیسائیوں کے قبضہ میں جانے والا تھا۔ مراقش کے اس مسلمان پادشاہ کے قبضہ میں آ کر محفوظ ہو گیا۔ اور اس وقت عیسائیوں کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں (خلاصہ توازیخ)

معتد عبادی کا یہ ایک جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل اور ہمیشہ کے لئے مسلمان حاکموں اور پادشاہوں کے لئے قابل نصیحت پیروی ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جن پادشاہوں نے

آمنارنبوی سے برکت اندوزی (۱) حضرت امیر معاویہ

رضی اللہ عنہ کے پاس آثار نبوی میں سے ایک کُرتہ، ناخن، اور موئے مبارک تھے، زندگی بھر برکت کے لئے اس کو اپنے پاس رکھا۔ وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کُرتہ مرحمت فرمایا تھا۔ وہ اسی دن کے لئے محفوظ رکھا ہے اور ناخن اور موئے مبارک شیشہ میں محفوظ ہیں اس کُرتے میں مجھے کفنا یا اور ناخن اور موئے مبارک آنکھوں اور منہ کے اندر بھر دینا۔ شاید خدا اس کی برکت سے

جسم فرمائے۔ (استیعاب ابن عبد البر ج ۱۷)
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت اور الفت و تعلق کی اس سے بڑھ کر اور دلیل کیا ہو سکتی ہے۔ بدن مبارک سے جس کپڑے کا اتصال ہو گیا ہے سچے محب کو اس کا تار تار محبوب ہے۔ اور چاہتے ہیں کہ منازل آخرت کی پہلی منزل قبر میں حاضری ہو تو اس طور سے کہ محبوب کا کُرتہ زیب تن ہو۔ اور یقین ہے کہ اس کُرتے کی برکت و طفیل سے رحمت خداوندی کا فیضان ہوگا۔ اور جب بدن کے ساتھ چند روزہ اتصال کی بنا پر گرتے کے متعلق اس قدر تصدیق ہے، تو ناخن اور موئے مبارک تو پھر بھی بدن کے اجزا ہی ہیں۔ اس مقدس بدن سے جدا کئے گئے ہیں لہذا آخری گھڑی میں جب کہ اور سارے دنیوی وسائل ختم ہو چکے ہیں، حضور کے صحابی اور سچے عاشق صرف اس وسیلہ کو کافی سمجھتے ہیں اور اپنی آنکھوں اور منہ میں بھر کر دربار خداوندی میں حاضر ہوتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن سائر الصالحات و عشاق سید المرسلین۔
خدا رحمت کنڈاں عاشقان پاک طینت را
آمنار صالحین سے برکت اندوزی سلطان

”اونٹوں کی نگہبانی“ سے استنبار کیا اور اس پر راضی نہ ہوئے اُن کو آخر کار ضرور ”خنزیریوں کی پاسبانی“ کرنی پڑی۔ یعنی جنہوں نے ”اپنوں“ کو اپنا یا نہیں اور ان کے ساتھ نرمی و مہلت اور مہرہ و سلوک کا رویہ نہیں رکھا۔ وہ ضرور غیروں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔ معتمد عبادی نے دمانائی اور دُور بینی سے کام لے کر مراثش کے مرابطین کے حادثہ یوسف بن تاشقین کے سامنے جھکنے سے عار نہیں کیا۔ اور عیسائی پر مسلمان کو ترجیح دی تو اندلس کی اسلامی حکومت عیسائیوں کی دست درازوں اور تباہ کاریوں سے بہت عرصہ تک محفوظ رہا۔ لیکن ماضی قریب میں دیکھئے عراق، شام، فلسطین و عرب کے باشندوں نے یورپ کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اور سفید فام اقوام کے سبز باغوں سے دھوکہ کھا کر ترکوں کی ”خدمتِ حرمین“ سے عار کرنے لگے تو نتیجہ کیا ہوا۔ مسلمانوں کے مقدس مقامات پارہ پارہ ہو گئے۔ اور وہی ”خنزیریوں کی پاسبانی“ کرنی پڑی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی بہادر فوج کے مجاہد سپاہیوں کی روحیں عالم ارواح میں بچیں ہوں گی۔ کہ جان کی بازی لگا کر اور قربانیاں دے دے کر جس بیت المقدس کو انہوں نے عیسائیوں سے چھڑا کر دارالاسلام بنا دیا تھا۔ وہاں کے میناروں پر پھر یونین جیک لہراتا نظر آتا ہے۔ اور ہر دمہ دیوار سے مسلمانوں کی زبوں حالی پر فوج خونی کی صدائیں آرہی ہیں۔

صرف مصر و شام اور عراق و فلسطین کا معاملہ یہ نہیں ہوا۔ خود ہندوستان کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے جس جس نے اپنوں کو بیگانہ کر کے غیروں کی آڑ لی وہ ذلیل و رسوا ہوا۔ اور جس تاج و تخت کے بقا و استحکام کے لئے اجنبیوں کو دخل اندازی کا موقع دیا آخر کار ان اجنبیوں کے ہاتھوں اس تاج و اورنگ سے دست بردار ہونا پڑا۔ کاش آج بھی ہم اس حقیقت کو سمجھ لیں :-
”خنزیریوں کی پاسبانی سے اونٹوں کی نگہبانی بہتر ہے“

فرماتے ہیں کہ محمود! تو نے ہمارے خرقہ کی کچھ عظمت نہیں کی اگر اللہ تعالیٰ سے چاہتا کہ یہ تمام کافر مسلمان ہو جائیں تو سب مسلمان ہو جاتے۔

معلوم ہوا کہ محمود بہت شکن اور غازی ہند تباہ بنایا اس نے صالحین اور بندگان خدا کے ساتھ عقیدت و محبت پیدا کی اور ان کے تبرکات تک کو سرانگھوں پر جگہ دی۔ میدان جہاد میں تیغ و سپر اور تیروشان کے ساتھ ساتھ ان آثار صالحین سے بھی کام لیا گیا۔ اور حقیقت ان پاک نفوس کے انفاس کی برکتیں ہیں اور ان کی دعائیں ہیں کہ اس کفر زار میں توحید کی روشنی پھیل گئی۔ آج تاد و ظاہر سستی اور مظاہر ہر بینی کا زمانہ ہے اس لئے دُعا و توجہات کی برکات سے انکار اور صالحین سے بُعد و ہجران ہوتا جا رہا ہے اور اسی بُعد و انکار کا منحوس اثر ہے کہ کامرانی و فتح مندی ہم سے کوسوں دور بھاگتی اور روز بروز نئی نئی دولتیں اور شکستیں چھپی جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ آج بھی اگر ہندوستان میں مسلمانوں کو ”بت شکن“ بننا اور کسی ”سومنا“ کو فتح کرنا ہے تو ضرور کسی ”خرقانی“ کے خرقہ و دریدہ کو آنکھوں سے لگانا ہوگا اور سلطان محمود ہو کہ بھی اپنے کبر و غرور کو مٹا کر اس کی خانقاہ پر حاضری دینی ہوگی۔

محمود غزنوی المتوفی ۴۲۱ھ حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی المتوفی ۴۲۴ھ کی خدمت میں ایک دفعہ خرقان جاکر حاضر ہوئے۔ رخصت ہوتے وقت محمود نے عرض کیا کہ مجھ کو کوئی نشانی دیجئے۔ آپ نے اپنا پیر ہن عطا فرمایا اور اس کو سلطان نے بعد خوشی لے کر بطور تبرک اپنے پاس رکھا۔ جب ہندوستان کے مشہور مرکزی مندر سونماں پر چڑھائی کی اور عین حالت لڑائی میں کفار کا پلہ غالب نظر آنے لگا اور خطرہ ہوا کہ مسلمان کہیں شکست نہ کھا جائیں سلطان گھوڑے سے کود کر اور حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی کے اس پیر ہن مبارک کو ہاتھ میں لے کر دعائے کی کہ اے آہی! اس پیر ہن کے طفیل فتح نصیب فرما! رحمت خداوندی سے دعا مقبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے سلطان کو فتح مندی نصیب فرمائی۔ لکھا ہے کہ اشیب محمود نے خواب میں حضرت شیخ جگر کو دیکھا۔

ہندوستان میں اسلام کی کشتی و طبیعت کی حیلان

(۳)
(از اداس)

عنکبوت کی طرح تار تار ہو جائے گا۔ اس لئے ہندوؤں نے اب اپنی اس بنیادی کمزوری کو چھپانے کے لئے یہ روش اختیار کی ہے کہ پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ مشہور کیا جائے کہ بنیادی سچائیوں کے لحاظ سے تمام مذاہب ایک جیسے ہیں۔ کسی میں کچھ فرق نہیں

لے کر سچائی کی نئی تشریح۔ ہندوؤں کو یہ معلوم ہے کہ ایمانیات یعنی اصول مذاہب میں جب کبھی کوئی مذہب اور خاص کر ہندومت اسلام کے مقابلہ میں آیا۔ تو وہ مت شیشے کی طرح چور چور و پست

مولانا آزاد نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں یہ بتانے کے بعد کہ مختلف مذہبی گروہوں نے دین کے سمجھنے میں کیا کیا غلطیاں کیں اسلام کے متعلق لکھا ہے :-
” لیکن قرآن کریم نے نوع انسانی کے سامنے مذہب کی عالمگیر سچائی کا اصول پیش کیا۔

(الف) اس نے نہ صرف یہی بتلایا کہ ہر مذہب میں سچائی ہے بلکہ صاف صاف کہہ دیا کہ تمام مذاہب سچے ہیں۔ اس نے کہا دین خدا کی بخشش ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کسی ایک قوم یا جماعت کو دیا گیا ہو اور دوسرے کو اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔

(ب) اس نے کہا۔ خدا کے تمام قوانین فطرت کی طرح انسان کی روحانی سعادت کا قانون بھی ایک ہی ہے اور سب کے لئے ہے۔ پس پیران مذہب کی سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ انہوں نے دین آہی کی وحدت فراموش کر کے الگ الگ گروہ بنادیاں کر لی ہیں اور ہر گروہ بندی دوسری گروہ بندی سے لڑ رہے ہیں۔

(د) اس نے بتلادیا کہ ایک چیز دین ہے۔ ایک شرع و منہاج ہے۔ دین ایک ہی ہے اور ایک ہی طرح سب کو دیا گیا ہے۔ البتہ شرع و منہاج میں اختلاف ہوا۔ اور یہ

سے مولوی ابوالکلام آزاد کے علم فضل کا ہمیں بھی اعتراف ہے۔ لیکن شیخ کامل ” اور اہل نظر ” کی صحبت و تربیت سے محرومی کا اثر معلوم ہوتا ہے کہ باوجود علم و فضل اور وسعت مطالعہ مولانا کے قلم سے تفسیر اور مقدمہ تفسیر میں ایسی باتیں نکلی ہیں جو سلف صالحین کے خلاف اور اہل زیلع کے لئے سند ہیں اور اسی وجہ سے عام مسلمانوں کیلئے اس کی تفسیر کا مطالعہ خطرات سے خالی نہیں، محقق علماء نے اس پر تنقیدیں کی ہیں اور تفسیری غلطیاں ظاہر کی ہیں سچ ہے کہ گھلے کہ آبِ نور دستِ باغبان نہ بود اگر ز چشمہ نور شید سر زند خود رواست

کسی کو دوسرے پر بڑائی حاصل نہیں۔ فرق صرف ظواہر (شریعت) میں ہے۔ اور یہ ظواہر و مظاہر (شریعت) کچھ ایسی اہم شے نہیں بلکہ مذہب کے جتنے جھگڑے ہیں وہ شریعت کے اختلافات ہی کی وجہ سے ہیں۔ یعنی محسوس اختلافات، طرق عبادات، مذہبی اعمال، مخصوص تمدنی اور تہذیبی آثار کو موجب فتنہ و فساد قرار دیا جائے۔ اور غیر محسوس بنیادی اصولوں (عقائد) کو ہندومت اور اسلام میں قدر مشترک مانا جائے۔ ہندو قوم اور ہندو مذہب کے حقیقی خیر خواہ اور سونی صدی کٹر ہندو، گاندھی جی عرصہ سے اسی سازش کے پھیلانے میں مصروف ہیں اور نہ معلوم کتنے خستہ اور کتنے عبدالغفار خاں، اندراندر شہ ” کر چکا ہے۔ گاندھی جی نے سلسلہ میں جامعہ ملیہ میں تقریر کی :-

مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ نجات و سعادت اپنے پیروؤں ہی تک محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے۔ کہ اسلام تمام مذاہب میں کیسیاں سچائیوں کا مدعی ہے لہذا ہم نے اس تفسیر کے مقدمہ کا ہندی میں ترجمہ کر کے شائع کرایا ہے۔

گاندھی جی کا اپنے مخصوص مقصد کے لحاظ سے جو خیال ہونا چاہئے وہ نہ قابل شکایت ہے اور نہ قابل تعجب، وہ تو اپنے ہندو مذہب کو سچا ثابت کرنے کے لئے ہر طرح کی کوشش کریں گے بلکہ ” باطل مذہب ” کے ساتھ ان کی اس قدر محبت ہم سچے مذہب والوں کے لئے عبرت ہے۔ مگر افسوس تو اس پر ہے کہ ان کو اس بات کی سند مولوی ابوالکلام صاحب آزاد کی تفسیر سے مل گئی۔ اور انہوں نے اپنے مطلب کو آزاد جیسے شخص کے ہاں پاکر خوش خوش ہندی میں ترجمہ کرایا۔

جو سابقہ خدمات اور شان دار قربانیوں کی وجہ سے لائق احترام تھے، شب و روز اسی دُھن میں مصروف ہیں کہ قرآن پاک کو ایسی متحدہ قومیت کا داعی ثابت کریں، اور حکمت ولی الہی کے نام سے گویا ایک مخلوط مذہب پیش کرنا چاہتے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کا سراا کر کے دین الہی سے ملایا جا رہا ہے۔

بسوخت عقل زجیرت کہ این چہ بولعجبی است
سوائے اس کے کہ اپنی قیمتی کوروئیں اور کیا کریں افسوس
از باغبان شد است کہ حیاد آں نہ کرد

جامعہ ملیہ دہلی

آگ دی حیاد نے جب آشیانے کو مرے

رجن پتہ تیکہ تھا وہی پتہ ہوا دینے لگے

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے جامعہ ملیہ کی تاسیس کے وقت جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ اس میں انہوں نے تصریح فرمائی تھی کہ جدید عصری علوم کے حصول کی غرض سے یہ ادارہ اس لئے قائم کیا جاتا ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ عقائد و خیالات اخلاق و اعمال، اوضاع و اطوار میں غیروں کے اثرات سے پاک ہوں، پس چاہئے تھا کہ جامعہ ملیہ دہلی اس موقع پر اسلام کی خدمت صحیح طور سے انجام دیتا۔ اور مسلمانوں کا یہ ادارہ خیالات، اوضاع و اطوار، اور طرز و طریقہ میں ایسی غیر اسلامی متحدہ قومیت کے اثرات سے یکسر پاک ہوتا، مگر صد افسوس کہ وہی پتہ اس آگ کو ہوا دینے لگے ہیں، دماغِ محبت کے مندر بنائے جا رہے ہیں، اور محبت کی گنگا میں نہانے چلے جا رہے ہیں، جامعہ کل سالہ ”جامعہ“ اور پیامِ تعلیم اس ”دین الہی“ اور ”عالمگیر سچائی“ کی تبلیغ و پیام رسانی کے لئے وقف ہیں۔

”واروہا تعلیمی سنگھا“ کے نام سے گاندھی جی کی واروہا سکیم جاری کرنے کیلئے مستقل ادارہ قائم ہے۔ نصابِ تعلیم میں

اختلاف ناگزیر تھا۔ کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی اور ضروری تھا کہ جیسی جس کی حالت ہو۔ ویسے ہی احکام و اعمال اس کے لئے اختیار کئے جائیں۔ پس شرع و منہاج کے اختلاف سے اصل دین مختلف نہیں ہو سکتے۔ تم نے دین کی حقیقت تو فراموش کر دی ہے۔ محض شرع و منہاج کے اختلاف پر ایک دوسرے کو جھٹلا رہے ہو۔

(۱) اس نے بتلایا کہ تمہاری مذہبی گروہ بندیوں اور ان کے ظواہر و رسوم کو انسانی نجات و سعادت میں کوئی دخل نہیں یہ گروہ بندیاں تمہاری بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ خدا کا ٹھہرایا ہوا دین تو ایک ہی ہے۔ وہ دین حقیقی کیا ہے؟ وہ کہتا ہے۔ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی، جو شخص بھی ایمان اور نیک عمل کی زندگی اختیار کرے گا۔ اس کے لئے نجات ہے خواہ وہ تمہاری گروہ بندیوں میں داخل ہو یا نہ ہو۔

(۲) اس نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں۔ لیکن پیروان مذاہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں۔ تو میرا کام پورا ہو گیا۔ اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا تمام مذاہب کی یہی مشترکہ اور متفقہ سچائی ہے جسے وہ ”الدین“ اور ”الاسلام“ کے نام سے پکارتا ہے۔ (ترجمان القرآن جلد اول ص ۱۶۲ و ۱۶۳)

مولانا کے یہ ارشادات ہیں جو گاندھی جی کے لئے ”سند بن گئے“ فی الحال ہمیں اس پر تنقیدی بحث کرنی نہیں، صرف یہ بتلانا ہے کہ ہماری قوم کی کس قدر بد قسمتی ہے کہ ہمارے سنجیدہ اور قابل دماغ کس طرح غیر شعوری طور پر گاندھی جی کے ہندو ازم کی تخم ریزی کے لئے زمین تیار کر رہے ہیں ۶ آپ زسوز سینہ بریاں کشیدنی است
ان کے علاوہ اب کچھ عرصہ سے ایک دوسرے مولانا

انگریزوں کی حکومت کے ابتداء میں میکالے سکیم مسلمانوں کو انگریز بنانے اور سستے کلرک مہیا کرنے کے لئے جاری ہوئی۔ تو علماء نے اس کے برے عواقب کا احساس کیا۔ اور قوم کو تنبیہ کی۔ لیکن افسوس اس وقت ان کا مضحکہ اڑایا گیا۔ اور ان کو تنگ خیال قرار دیا گیا۔ آج پچاس سال کے تجربہ سے ہر اس شخص کو جس کے قلب میں ایمان باقی ہے۔ (جن کے خیالات و افکار انگریزی ہو گئے ہیں ان سے بحث نہیں) اس کا اعتراف ہے کہ علماء کرام کی دور بینی اور ان کا فیصلہ قابل ستائش ہے اور جن خطرات کو وہ بیان کر رہے تھے وہ ہو کر رہے۔ اب وارد ہا سکیم کے صحیح خطرات کا احساس بھی علماء کو ہو سکتا ہے کیونکہ مذہب کے ظاہری محافظ وہ ہیں اور مذہب ان کو پیارا ہے، اور محبت کی وجہ سے احساس کی شدت یقینی ہے۔ اگرچہ سیاسی ادارے اور کانگریس کے حریف مقابل بھی ایسے مواقع پر شور و غل سے آسمان سر پہ اٹھاتے ہیں۔ لیکن وہ کسی اور سیاسی احساس پر مبنی اور ایک رقیبہ کو کوشش ہوتی ہے بہر حال جس غرض سے بھی وہ کریں جب بات صحیح ہو تو ہم کو ان کی ہمنوائی میں کوئی رکاوٹ نہ ہونی چاہئے۔ اس لئے منہ می ذمہ داروں کی بنا پر علماء نے اس کی مخالفت میں آواز بلند کی۔ اس نصاب میں ”سماج کا علم“ جو پیش کیا گیا ہے اس میں مذہب کے متعلق یہ لکھا ہے :-

”دنیا کے مذہبوں کے اصول بتلا کر یہ ثابت کیا جائے کہ خاص خاص باتوں میں سب مذہب ایک ہیں“ (صفحہ ۱۱)

اور اس احوال کی تفصیل گاندھی جی نے اس بیان کے ذریعہ اخبارات میں شائع کی ہے :-

”ہم نے وارد ہا سکیم میں سے مذہبی تعلیم کو خارج کر دیا ہے۔ کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ جس طرح مذہب کی تعلیم آج کل دی جاتی ہے اور ان پر عمل کیا جاتا ہے وہ بجائے اتحاد کے اختلاف

اسی ”قومیت“ کی تبلیغ کے پیش نظر ہندوؤں کی لکھی ہوئی کتابیں داخل و رس ہیں ہندو لیڈروں کو خاص طور سے جاگر کرنے اور ان کے خیالات کی اشاعت کے لئے ان کے حالات اور تصنیفات کے تراجم۔۔۔۔۔ کو شائع کیا جا رہا ہے۔ اب تو ”ولی الہی فلسفہ“ کے لئے بھی اس کو موزون سمجھا گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ”وارد ہا سکیم“ کی پیدائش بھی یہاں ہوئی۔ اور یہاں کے پرنسپل ڈاکٹر ڈاکٹر حسین خاں صاحب اس کے اصل مصنف۔۔۔۔۔ اور گاندھی جی کی کامیابی کا اصل ذریعہ ہیں۔

وارد ہا تعلیمی سکیم مسلمانوں میں ”قومیت متحدہ“ کا غلط تصور قائم کرنے اور بد الفاظ دیگران کو ”شده“ کرنے کے لئے انگریز استواں ازل کے نقش قدم پر چل کر طریق تعلیم کی تبدیلی ایک کامیاب حربہ تھا اس لئے اس چیز کے پیش نظر گاندھی جی نے آزاد ہندوستان کے لئے ایک تعلیمی سکیم کا اصول وضع کئے جسے وارد ہا سکیم کہتے ہیں اور ان اصولوں کے فروعات و جزئیات مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنادی۔ اور مسلمانوں کے اعتراض سے بچنے کی غرض سے اس کمیٹی کے صدر چامندہ جی کے پرنسپل ڈاکٹر ڈاکٹر حسین صاحب متعین کر دیئے۔ اس کمیٹی نے اپنی رپورٹ مرتب کی۔ اور جو کچھ گاندھی جی کی خواہش تھی وہ پوری کر دی۔ بلکہ درحقیقت گاندھی جی کے خیالات کو مسلمانوں کے ہاتھ سے پیش کیا گیا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب رپورٹ کی تمہید میں رقمطراز ہیں :-

”اور میدان کی طرح اس میدان میں بھی نہاتا

گاندھی کی سوچہ بوجھ اور رہنمائی آرٹس وقت

ہمارے کام آئی“ (صفحہ ۱۱)

اس رپورٹ کے شائع ہونے پر تمام مذہبی اداروں اور خاص کر جمعیت علماء ہند نے اس کی شدید مخالفت کی۔ اور بتا دیا کہ مسلمان بچوں کے لئے یہ طریق تعلیم نہایت مضر اور خطرناک ہے واقف یہی ہے کہ علماء کرام ہی ایسے مواقع پر اپنی ایمانی فراست اور صحیح احساس کی بناء پر متنبہ ہوتے اور قوم کو فہم دار کرتے ہیں

مقدم بنیادی اصول کے ماتحت لکھا ہے ”کہ ہمارے بچوں کو یہ سکھانے کی ضرورت ہے کہ ایسا کا طریقہ ہمسائے اچھا ہے“ مزید برآں گاندھی جی کا ایک اور بیان سنئے:-

”مختلف طبقات و مذاہب کے بچوں میں رواداری

اور دوستی کی روح پیدا ہو رہی ہے میں اس

کے پیش نظر اس بات کو سخت ہلکا اور خطرنا

سمجھتا ہوں۔ کہ ان کو یہ سکھایا جائے کہ ان کا

مذہب دیگر تمام مذاہب پر برتری رکھتا ہے یا

جس مذہب کے وہ قائل ہیں ان کے نزدیک ہیں

وہی سچا ہے۔ اگر یہ فرقہ انگیز روح قوم میں

سرايت کر گئی۔ تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ

ہر فرقہ کا سکل علیحدہ ہو۔ جس میں ہر ایک کو

ذمت کرنے کی پوری آزادی ہو۔ یا پھر ایسی

درگاہوں میں مذہب کے تذکرہ کو بالکل منع

قرار دیا جائے۔“ (ہندوستان ٹائمز، ۱۷ جولائی ۱۹۳۷ء)

اس سلسلہ میں ہمیں گاندھی جی سے کچھ شکایت نہیں ہونی

چاہئے۔ وہ تو مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے صراطِ مستقیم سے ہٹانے

اور اپنے اندر جذب کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے و دواؤں تکفروں

فتنوں کو اسواء

شکایت ہے مجھے یارب ”خداوندانِ کتب سے

سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں فاکلزاری کا

ہمارے اپنے ”مسلان“ ڈاکٹر سید محمود اور ڈاکٹر انور

اور ڈاکٹر ذاکر حسین۔ قسم کے آدمی اس غیر شرعی قومیت متحہ

کی تشکیل میں ان کی امداد اعانت کرتے اور اپنی قوم اور اپنے

سلسلہ دیہات میں جاہل مسلمانوں کو عرصہ سے دیہاتی ہند

یہ سمجھا چکے ہیں۔ کہ رام اور رحیم اصل میں دونوں ایک

شے ہے۔ دونوں بھائی تھے۔ ایک مسلمانوں کا رحیم تھا۔

اور ایک ہندوؤں کا رام۔

پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس میرا یہ

خیال ہے کہ سچائیاں جو ہر ایک مذہب میں

مشترکہ طور پر پائی جاتی ہیں، بچوں کو پڑھائی

جاسکتی ہیں اور ضرور پڑھائی چاہئیں۔ یہ سچائیاں

الفاظ یا کتابوں کے ذریعہ پڑھائی نہیں جاسکتیں

بچے ان سچائیوں کو روزانہ اپنے استادوں کی

روزانہ زندگی سے سیکھ سکتے ہیں۔ اگر وہ

استاد خود مذہب کی سچائیوں کے مطابق زندگی

بسر کر رہا ہو۔ صرف اس صورت میں بچے یہ

سیکھ سکتے ہیں۔ کہ واقعی سچائیاں اور عدل

والنصاف تمام مذاہب کے بنیادی اصول ہیں“

جب سوال کیا گیا کہ سات سے چودہ برس کی عمر کے بچے (جو

وارد ہا سکیم کے مطابق تعلیم حاصل کرنے والے ہوتے ہیں) تمام

مذاہب کی یکساں عزت کرنا سیکھ سکیں گے۔ تو ہاتھ تاجی نے

فرمایا:-

”ہاں میرا خیال ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے۔ حقیقت

کہ تمام مذاہب اہم اصولی باتوں میں بالکل ایک

جیسے ہیں (بچوں کے دل میں یہ آسانی یہ بات

پیدا کر دیں گے) کہ وہ دوسروں کے مذہب

کی بھی ایسی ہی عزت کریں جیسی اپنے مذہب

کی کرتے ہیں۔ یہ بڑی سادہ سچی سچائی ہے اور

سات برس کے بچے اسے آسانی سے سیکھ سکتے

ہیں اور اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ لیکن سب سے

مقدم یہ ہے۔ کہ استاد خود ایسا ہی عقیدہ

رکھتا ہو (نیشنل کال ہر جہاں سلسلہ)

مسلمانوں کے مذہب کو فیا کرنے اور ہندویت کی سچائی کو بھی

ذہن میں ٹھکانے کے لئے ٹیڈ کوشش کی گئی۔ اس کے علاوہ

اس ”متحدہ قومیت“ میں متحدہ قوم کا فلسفہ حیات ”ایسا

ہوگا۔ چنانچہ وارد ہا سکیم کی رپورٹ میں ہے

مذہب کو تباہ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کانگرس میں داخل ہو کر جنگ آزادی میں قربانیاں بے شک جائز، مگر اس سلسلہ میں مذہب کو فنا کرنے کے مشورے دینا، اور اکبری دین الہی کے اعادہ کو خدمت سمجھنا یقیناً قوم و مذہب سے غداری ہے۔

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں محاف
آج اک ورد مرے دل میں سوا ہوتا ہے
غافلہ دل کو لگی ہے آگ سوز عشق سے
ہر بن مٹ سے نکلتے ہیں شرارے بے طرح

یہ عبادت کا نفرین اس طور سے منعقد ہو رہی ہیں۔ کہ ہر قوم اپنے اپنے طریقہ پر عبادت مشترک طور پر کیا کریں۔ ظاہر میں پریم، عبادت، اور رفاقت کے لفظ میں جو دلکشی اور جاذبیت ہے اس کی بنا پر لوگ ان چیزوں کو بھی "نیکی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں جن جذبات کے ماتحت یہ سارا سلسلہ شروع ہوا ہے وہ خطرات سے خالی نہیں معلوم نہیں ان شگونیوں سے کیا گل کھلیں گے۔

اسی طوفان بدتمیزی کو دیکھ کر مسلمانوں کی خدمت میں یہ عرض کیا گیا اور ہندوستان میں بعثت انبیاء کے مسئلہ پر شرعی تحقیق لکھ کر شائع کیا جا رہا ہے۔ ہم غیروں کے پیشواؤں کو اپنے انبیاء و اولیاء کی طرح عت کی نظر سے نہیں دیکھ سکتے اور ایک مسلمان سے یہ توقع بے جا بھی ہے ہاں شرعی حکم کے بموجب اتنی رواداری ہم میں ضرور ہونی چاہئے کہ ہم خواہ مخواہ ان پر تنقید اور ان کی تنقیص بھی نہ کریں۔ لہذا اس مقالہ کے لکھنے سے مقصد کسی کی توہین و تحقیر نہیں صرف اپنے بھائیوں کو حکم شرعی بتلانا ہے کہ حب وطن کے جوش میں وہ شرعی حدود کا خیال رکھا کریں اور ہر قدم پر سوچ کر اٹھائیں کہ مذہب کی مخالفت اور قوم کی بیخ کنی کے لئے تو یہ قدم نہیں اٹھنا، و ما علینا الا البلاغ ان اريد الاصلاح ما استطعت و ما توفيقى الا بالله علیہ توکلت والیہ انیب۔ مضمون خاصہ طویل ہو لیکن بقول اکبر قصبہ تھاکردوں اس مطلع کی شرح مختصر۔ کہنے کو بیجا جو میں کالم کے کام ہوئے

وار دھا سکیم تو ابھی باقاعدہ طور سے نافذ نہیں ہو سکی ہے۔ لیکن اس کے اثرات سے بہت سے دماغ متاثر ہونے لگے ہیں، اور یہ کوششیں شروع ہیں کہ ان مذہبی اختلافات یعنی شریعت کے ظواہر و مظاہر کو آہستہ آہستہ رخصت کیا جائے اور اگر کوئی عالم اور مذہبی شخص اس کا نام لے تو اس کو فاق انگیز کہہ کر خاموش کرایا جائے۔ اور یہ وعظ شروع ہو گیا ہے کہ ہندوؤں کے پیشواؤں جن کو خود ہندو تو "اوتار" سمجھے رہے ہیں تم تمغیر اور رسول مان لو اور اقرار کرو کہ کوشن علیہ السلام تھے۔

دباء کی طرح اب ایک اور تحریک "آخری کوشش" پھیل گئی ہے۔ اور اسی "اتحاد" کے نام سے ایک اور قسم کی "شدھی" شروع ہے۔ وہی پرانا جذبہ ہے جو اب پریم لیکوں، عبادت کا نفرینوں، اور رفاقت کیٹیوں کے رنگ میں ظہور کر رہا ہے۔ بڑے بڑے شہروں

اطلاعات

دارالعلوم عزیزیہ کا سالانہ امتحان

ماہ شعبان کے پہلے عشرہ میں ہوگا۔ بعد ازاں ۱۵ شعبان سے تعطیلات ہوں گی۔ اور تعطیلات کے بعد

۵۔ شوال المکرم کو دوبارہ افتتاح ہوگا۔

جامع مسجد بھیرہ میں (واٹر ورکس)

یعنی پانی کی ٹینکی وغیرہ کی تعمیر شروع ہے۔ نیز مرمت کے اور چھوٹے چھوٹے کام بھی ہو رہے ہیں۔ (دہمتم)

لارڈ میکالے کی تعلیمی سکیم کے بدترین نتائج

واردہا سکیم کے مصنفین میکالے کے نقش قدم پر

ذیل میں شیخ اکبر علی صاحب ایڈووکیٹ سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور کی اس سالانہ رپورٹ کے بعض اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں جو انہوں نے انجمن مذکور کے اجلاس منعقدہ ۱۹ اپریل ۱۹۴۷ء میں پیش کی۔ ان اقتباسات کو پڑھ کر یہ حقیقت آپ کو تسلیم کرنی پڑے گی کہ انگریز کے تعلیمی نظام کے خلاف علماء اسلام نے آج سے ساہا سال قبل جو صدائے حق بلند کی تھی اور جن خطرات کا اظہار فرمایا تھا اور جس کی بناء پر نئی روشنی کے مسلمان طبقہ کی طرف سے علماء اسلام کو اب تک مطمئن کیا جاتا تھا۔ اب اسی طبقہ کے بعض ہوش مند افراد ان خطرات کو واقعات کی صورت میں دیکھ رہے ہیں۔ علماء اسلام کی دور بینی، عاقبت اندیشی، اور فراست ایمانی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ (ملیر)

سب سے پہلے انہوں نے ہندوستانیوں کی تعلیم کے مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لیا اور لارڈ میکالے والی مشہور کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ سوال حل طلب یہ تھا کہ انہیں انگریزی تعلیم دی جائے یا نہیں اور اس مسئلے میں جہاں خود انگلستان کا ایک فریق ایسی تعلیم دینے کے حق میں تھا وہاں دوسرا فریق جو کہ وہ انگریزی تعلیم دینے کے مخالف تھا وہ بڑے زبردست دلائل سے مسلح تھا۔ لیکن جب لارڈ میکالے نے ایک مطلب کی دلیل جو باپہریش کی تو خالفین نے بھی ہتھیار ڈال دیئے وہ تاریخی دلیل ان الفاظ میں تھی کہ ”انگریزی تعلیم دینے سے ہندوستانی آہستہ آہستہ ایک ایسی قوم میں تبدیل ہو جائے گی جو رنگ اور نسل کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن خیالات و رجحانات، تہذیب اور معاشرت کے لحاظ سے مغربی ہوگی“، گویا وہ تمدن کو بالائے طاق رکھ کر ایک جہد بے روح بن کر رہ جائے گی۔ ہندو پر تو خیر اس نئی اسکیم

جب انگریز ہندوستان میں آئے تو یہاں دو بڑی قومیں آباد تھیں۔ ایک ہندو اور دوسرے مسلمان ان میں سے ہندو وہ تھے جن کی ثقافت میں کوئی مخصوص تمدن یا مذہب موجود نہ تھا۔ لیکن مسلمان ایک عظیم الشان تمدن اور مذہب کے مالک تھے اور اسی لحاظ سے ان کی روایات بھی شاندار تھیں ابتدا سے انگریز کمپنی بہادر کے کارندے تھے اس لئے انہوں نے اپنی سہولت اور کاروباری امداد کی خاطر یہ سوچا کہ کسی طرح اپنے ڈھب کی تعلیم دے کہ ہندوستانیوں کے کل پرزوں سے حکومت کی مشین چلانے میں کام لیں۔ لیکن وہ تعلیم و تربیت فضا اور ماحول کے زبردست اثرات سے واقف تھے۔ لگے اس انگریزی مقولے کی صداقت پوچھی داد دینے کہ ”نمط رازی کا کام میرے سپرد کرو پھر اس بات کی پرواہ نہیں کہ حکومت کس کے ہاتھ میں ہے“

بل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

کیا اثر ہوتا تھا مسلمان ضرور اپنا سب کچھ بیٹھے۔ یہ میں نہیں کہتا بلکہ خود ایک انگریز ڈاکٹر ہنٹر نے اپنی کتاب ”ہندوستانی مسلمان“ میں اس نتیجے کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے:-
 ”اس طرح بتدریج اسلامی ہندوستان دارالحرب بنا دیا گیا اور ایک عظیم الشان روایات کی حامل قوم دنیا میں یوں بے وقعت کر کے رکھ دی گئی۔“

۱۸۳۹ء میں یہ اسکیم منظور ہوئی اور ۱۸۵۷ء میں اسے فروغ کے لئے لارڈ ہیسٹنگز نے اعلان کر دیا کہ ملازمت میں ترجیح اس کو دی جائے گی جو انگریزی جانتا ہو۔

میکالے کی سکیم کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس سکیم کی منظوری

اور نفاذ تک تو مسلمان معقول تعداد میں حکومت کے ہر شعبے میں ممتاز جگہ حاصل کئے ہوئے تھے لیکن اس نفاذ سے ان کی اہمیت بالکل جاتی رہی۔ خود مسلمانوں کے ایک بااثر گروہ نے مسلمانوں کو ایسی تعلیم سے بچنے کی تلقین کی۔ جو نتیجہ ہوا اُسے میں ایک مسلمان بزرگ محمد دین صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ ایس ڈاکٹر کٹر بہاولپور کے الفاظ میں بیان کرتا ہوں جو اُس تعلیمی یادداشت کا جزو ہیں جسے ۱۹۱۵ء میں خالص صاحب شیخ عبد الغنی مرحوم آنریری سیکرٹری انجمن حمایت اسلام لاہور نے حکومت کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ محمد دین صاحب فرماتے ہیں:-

”اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانان ہند مغربی

تعلیم کے میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں بظاہر

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ابتدا میں انہوں

نے مغربی علوم و ادب سیکھنے میں تامل کیا، اور

اسی تامل کو بعض اوقات جہالت پر محمول

کیا جاتا ہے۔ لیکن اس وقت کے ماحول سے

ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے وہی کچھ کیا جو ایسی

ہی فضا میں دوسری قومیں بھی کر گزرتیں۔

عربی اور فارسی زبانوں میں مسلمانوں کا اپنا عظیم الشان ادب اور مردوچہ ایشیائی علوم کی مستند کتابیں موجود تھیں اور علم و دنیا کے ان کے نصاب میں سب سے اہم درجہ حاصل تھا چونکہ مسلمان موجودہ زندگی اور آخرت پر پختہ ایمان رکھتے تھے اس لئے انہیں مذہب کے ساتھ ایک والہانہ محبت تھی اور زندگی کے تمام شعبوں میں دینی اصول ہی ان کے رہنما تھے۔ جو نصاب رائج تھا وہ نہ صرف علمی دنیا ہی میں ان کے لئے باعث عزت و شہرت تھا بلکہ بسا اوقات شاہی درباروں میں بھی منصب حاصل کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ یہی لوگ عموماً قلمدان وزارت بھی سنبھالے ہوئے پائے جاتے تھے۔ ہندوستان میں صدیوں تک کی اسلامی حکومت نے لوگوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ یہ نصاب دینی اور دنیوی برکات کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مدرسے اور دارالعلوم ملک کے گوشے گوشے میں موجود تھے۔ یہاں تک کہ ہر ایک گاؤں میں اپنا مکتب ہوا کرتا تھا۔ یہ ادارے غیر سرکاری امداد کے بل بوتے پر چلا کرتے تھے۔ اور بعض اوقات اوقاف کی آمدنی سے ان کے سرمائے میں بھی اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔ خود ہندو بھی ان سے فائدہ اٹھایا کرتے تھے، اور اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے بلکہ حکومت نے ہندوستانیوں کو مغربی تعلیم دلانے کے لئے پبلک سکول اور کالج کھول دیئے، اور ایک ایسا نصاب تعلیم رائج کیا جو دینی تعلیم اور مشرقی روایات سے یکسر معز تھا۔ قدرتی

ماحول سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے بھی اس معاملے میں بالآخر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور گو تاخیر کافی ہو چکی تھی تاہم انہوں نے بھی یہ نیا راستہ اختیار کر لیا۔ مسلمانوں کی تعلیمی سستی کی وجہ ان حالات میں گورنمنٹ کا اختیار کردہ وطیرہ تھا نہ کہ مسلمانوں کی لاپرواہی۔“

سر سید احمد خاں اور ان کی تعلیمی پالیسی

کے اثرات۔ جب اس انقلاب کے بعد مسلمانوں کا اثر نازل ہو کر دوسروں کو اہمیت حاصل ہو گئی۔ اور اقتصادی اعتبار سے بھی مسلمان ہمسایہ قوموں کے غلام بن گئے تو ہمدردان ملت نے طوعاً و کرہاً سرکاری ملازمتوں کو اپنے درد کا علاج قرار دیا۔ اور سر سید احمد خاں جیسے بزرگ نے نیش کو نوش میں تبدیل کر لینے اور مغربی تعلیم کو اپنانے کا پیغام دیا۔ نئے نظام تعلیم کے ماتحت دھڑا دھڑا سکول اور کالج کھلنے لگے اور فرزندان توحید ان میں تعلیم پا کر سلسلہ ملازمت میں منسلک ہونے لگے۔ وقتی طور پر تو شاید یہ حکمت عملی مفید ثابت ہوئی لیکن بالآخر محمد و ملازمتوں اور مغربیت کی روسے یہ راز فاش ہو گیا کہ ہم جسے فردوس آرزو سمجھے ہوئے تھے وہ محض ایک سراب تھا۔ اس طرز تعلیم سے متمتع ہوتے ہوئے جہاں مسلمان حکومت کی ایوان گاہوں میں بار پانے لگے وہاں انہوں نے مغربی معاشرت کے سانچے میں بھی ٹوھلنا شروع کر دیا۔ اب حالی مدرس کا تحفہ لے کر آئے اور اپنی قوم کو اپنے شان دار تمدن کی یاد دلانے لگے۔ اور اکبر الہ آبادی جیسے میٹھی میٹھی چٹکیاں لینے والے بزرگ پُر لطف سختی کے ساتھ تہذیب حاضرہ کی گت بنانے لگے گویا مغربی تربیت کے خلاف عملی احتجاج شروع ہو گیا۔ اور آج تک جاری ہے۔ شروع میں تو خیر اس نئے نظام تعلیم میں بھی عربی اور فارسی کے لئے خاصی گنجائش موجود تھی جس کا بھی

طور پر مسلمانوں نے اجنبی علم و ادب کی خاطر اپنے مرغوب مضامین کو رنج دنیا گوارا نہ کیا ان دنوں حکومت کی تجویزوں یا فیصلوں میں عوام کو کوئی دخل حاصل نہ تھا اور احکام قطعی صورت میں جاری ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ اس معاملے میں بھی کسی تحقیقات کی زحمت گوارا نہ کی گئی اور یہ دیکھ کر کہ ہندو نے بلا چون و چرا مغربی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ہے مسلمانوں کے مفاد کو گلدستہ طاق بے اعتنائی بنا کر نظر انداز کر دیا گیا۔ اور یہ فرض کر لیا گیا کہ جو نفرت انہیں مغربی طرز تعلیم سے ہے وہ محض جہالت اور مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے پبلک اسکولوں کا اجرا ایک بڑی غلطی تھی کیونکہ انہیں خالص دینی رنگ دے کر حکومت نے بالائے التزام دینی تعلیم کو کیسے خارج کر دیا اور ہندو اور مسلمان ہر دو کو سطحی سی تعلیم ملنے لگی چاہئے تھا کہ جو قومی مدرسے اور مکتب موجود تھے انہیں نئے سرے سے اس قالب میں ڈھال دیا جاتا کہ ضروری حد تک قومی ادب اور فلسفے کے نصاب کو من و عن قائم رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ مغربی علوم و ادب کا بھی اضافہ ہو جاتا اور اس طرح تعلیم عامہ کو بھی فائدہ پہنچتا اور یہ ناگوار صورت بھی پیدا نہ ہوتی کہ ہندوستانی گریجویٹ بجائے مشرقی ہونے کے مغربی دکھائی دینے لگیں۔ مسلمانوں نے مغربی تعلیم کے ساتھ جو بے اعتنائی برتی وہ اس بات کی مقتضی تھی کہ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جاتا۔ لیکن حاکمان وقت نے اس پر کوئی مناسب توجہ نہ دی اور ایسے غیر ہمدردانہ

چونکہ آپ کی انجمن شمالی ہندوستان میں آپ کا سب سے بڑا تعلیمی اور اصلاحی مرکز ہے اس لئے اس کا یہ فرض اور حق ہے کہ وقتاً فوقتاً آپ کو تعلیمی مسائل اور اس سلسلے میں نئے پیدا شدہ حالات سے بھی باخبر کرتی رہے۔ تاکہ آپ اپنی قوم کے مستقبل اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کی فلاح و بہبود کے متعلق غور و خوض کر سکیں اور ملی شعور اور قومی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں۔ یاد رکھئے کہ قوم کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ایک ذرا سی لغزش یا لاپرواہی بربادی اور تباہی کا پیش خیمہ ہو جاتا کرتی ہے۔ اس لئے اس معاملے میں کسی قیمت پر بھی یا کسی مصلحت کی بنا پر بھی کوئی ایسی بات برداشت نہ کرنی چاہئے جو ہمارے مفاد کے کسی طرح منافی ہو۔

جب سے صوبہ جاتی حکومتیں نئے نظام کے ماتحت وجود پذیر ہوئی ہیں دو ایسی تعلیمی اسکیمیں پبلک کے رو برو پیش ہو چکی ہیں جو ہماری توجہ کے قابل ہیں۔ ایک کا نام وار دھا اسکیم ہے جو مہاتما گاندھی کی خواہش پر دسمبر ۱۹۳۳ء میں ترتیب ہوئی۔ لیکن کانگریس وزارتوں کے ختم ہوجانے سے وقتی طور پر عملی جامہ نہ پہن سکی۔ ہو سکتا ہے کہ کانگریسوں کے دوبارہ برسرِ اقتدار آنے پر یہ دبا ہوا فتنہ پھر جاگے۔ دوسری اسکیم ہماری پنجاب گورنمنٹ نے ۱۹۳۵ء میں شائع کی اور جس کی بنیاد اس رپورٹ پر رکھی گئی جو حکومت پنجاب کی مقرر کردہ کمیٹی نے نومبر ۱۹۳۳ء میں پہلی جماعت سے لے کر آٹھویں جماعت تک درس و تدریس اور نصاب تعلیم کے سلسلے میں شائع کی۔ ان ہر دو اسکیموں میں اگر سب سے بڑھ کر کوئی چیز

قدر مشترک کا درجہ رکھتی ہے تو وہ بالا الہرام دینی تعلیم۔ وہ آیات ملی۔ قومی تمدن اور مخصوص اخلاقی رنگ کا اخراج ہے۔ جنگ کی وجہ سے چونکہ کاغذ اور دوسری متعلقہ اشیاء کا کافی مقدار میں بہم پہنچنا مشکل تھا اس لئے یہ پنجابی اسکیم بھی ملتوی کر دی گئی۔ ورنہ اپریل ۱۹۴۳ء سے صوبہ بھر میں اس کا نفاذ بھی ہو چکا ہوتا۔ وار دھا والے توخیر۔ اپنی

سے کچھ کچھ اسلامیات کی جھلک طلباء میں پائی جاتی تھی لیکن ایک اور آفت انگلش اسکولوں کی شکل میں پورے زور سے نازل ہو رہی ہے جہاں ہمارے متمول اور صاحبِ ثروت وجاہ طبقہ کے بچے ابتدائی اور ثانوی تعلیم کے لئے داخل ہو رہے ہیں۔ گویا ہماری وہ نسل جو دولت اثر اور ذرائع کی بناء پر ہمارے لئے باعثِ تقویت و رحمت ثابت ہو سکتی تھی اب مسموم فضاؤں کی گود میں پل کر جوان ہو رہی ہے اور جہاں ایسے بچوں کو ابتدائی دور میں حمد و نعت اور بلند پایہ ملی ترانے ازبر ہونے چاہئیں تھے وہاں انہیں بے معنی۔ اور بے نمک نظمیوں فقر کے ساتھ یاد کرائی جاتی ہیں اور اداکاری کے ساتھ ادا کرائی جاتی ہیں نمونہ ملاحظہ فرمائیے:-

جیک اور جلی !

پھاڑی پر چڑھ گئے !

پانی کی ایک بالٹی لانے کے لئے !

جیک گر پڑا !

اسے سر پر چوٹ آئی !

اور جلی بھی اس کے پیچھے لڑھکتی گئی !

گھر کے ماحول میں ابا ڈیڈی بن رہے ہیں اور ماں کو ماما کا درجہ دیا جا رہا ہے۔ گویا اپنا تمدن بھول کر اور اپنی خودی کھو کر یورپ کے رنگ میں رنگے جا رہے ہیں اور اس انحطاط کو تہذیب و ترقی کا نام دیا جا رہا ہے۔ اپنی تصویر پہ نازاں ہونے لگا ہے۔ آنکھ نرگس کی وہن غنچے کا حیرت میری !

دست مرہونِ خنا۔ رضا ر بہن غانہ گویا اندازِ حسن کی رسوائیوں کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے اور حرمِ دیرینہ بچلا جا رہا ہے۔ اب شخصیت کی اسلامی تربیت اور قوتِ غور و فکر کی تہمیر کیا ہو سکتی ہے۔

بدلتے ہوئے حالات تعلیمی اسکیمیں اور مسائل۔

کھلونے بنانا۔ کاغذ کاٹ کاٹ کر کھلونے بنانا۔ اور رنگوں کا استعمال سکھایا جائے گا۔ بالفاظ دیگر آذری قصہ گوئی گانا اور ایکٹنگ کی تعلیم دینا تو حکومت کا کام ہے۔ لیکن مذہب۔ اخلاق۔ کیریئر اور سیرت ایسی چیزیں ہیں کہ جن کا بار حکومت کے کندھوں پر گراں ہے ع

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

آپ کا فرض ہے کہ اس سرکاری رپورٹ اور اس نصاب تعلیم کو غور سے دیکھیں اور فیصلہ کریں کہ آیا آپ اسے برداشت کر سکتے ہیں یا نہیں۔ یہاں تو صرف نمونہ از خروار پیش کر دیا گیا ہے اگر کامل خود کے بعد ملت کی یہ رائے ہو کہ یہ اسکیم ناقابل قبول ہے تو اس صورت میں ہمیں بتادینا چاہیے کہ سیاسی یا دیگر مصلحتوں کی بنا پر کسی قوم کے تمدن، اور روایات کے ساتھ کھیلنا نہیں جاسکتا۔ اور ہمارا یہ مطالبہ ہر طرح بجائے کہ ہماری ملی ضروریات کے مطابق ہماری تعلیم و تربیت کا بند و بست کیا جائے۔ اور صوبہ جاتی خود مختاری کے خواب کی یہی صحیح تعبیر ہے۔ سٹرل گورنمنٹ نے اپنے تعلیمی مشاورتی بورڈ کی ایک رپورٹ جنوری ۱۹۴۷ء میں شائع کی ہے جس کا عنوان ہے ”لڑائی کے بعد ہندوستان کی تعلیمی نشوونما“ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ جنگ کے بعد جو نیا نظام ممالک میں قائم ہونے والا ہے اس سلسلے میں حالات و اوقات، ذہنیت اور شخصیت یعنی تہذیب و تمدن میں ایک انقلاب پیدا ہونے والا ہے اور یہ رپورٹ اسی سلسلے میں شائع کی گئی ہے۔ اس میں بورڈ نے بدنی صحت، قواسم ذہنی کی پرورش، اور سیرت کی تشکیل پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ بورڈ خاص طور پر اس اعتراض سے اپنا پہلو بچانا چاہتا ہے کہ اس نے اخلاقی یا روحانی پہلو کو تعلیم کے سلسلے میں نظر انداز کر دیا ہے۔ اور مقدمہ بھر پورے زور کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ تعلیم کے ہر مرحلے پر ذہنی قواسم کی پرورش کے ساتھ ساتھ سیرت کی تربیت

سیاسی مصلحتوں کی وجہ سے مجبور ہیں کہ ہندوستان کی مسلم قوم کو اپنے تمدن سے بیگانہ بنا کر ملی شعور کو مٹا دیں۔ لیکن تعجب ہے کہ پنجاب گورنمنٹ نے اکثریت کی ضروریات کا کیوں احترام نہ کیا۔ اور مذہب اور تمدن کو اپنی سکیم سے کیوں خارج کر دیا؟ یہ نصاب نہ اسلامی نہ ہندووانہ۔ نہ سکھوں کے کام کا نہ عیسائیوں کی شان کا۔ نہ یہ صورت نہ وہ صورت فقط ایک ہیرا لی ما۔ اس اسکیم اور نصاب کا مقصد ملاحظہ ہو۔ لکھا ہے کہ مناسب یہ ہے کہ پانچ اور چھ سال کی درمیانی عمر کے بچے ایک ایسی عیت میں داخل کئے جائیں جس میں ہمارا مقصد صرف بچوں کو پڑانا سکھانا ہی نہ ہو بلکہ مختلف مشاغل کے ذریعے ان کی دماغی اور جسمانی اہلیت کے لحاظ سے ان کو مدرسہ کی فضا کے مطابق ایک سانچے میں ڈھالا جلائے۔ گویا یہ سرکاری مدارس ایک ایسی ٹکسال ہوں گے جہاں سے ہندو، مسلمان، سکھ اور عیسائی سکے ایک ہی کینڈے کے ڈھل کر نکلا کریں گے اور یہ مقصد اس طرح پورا ہوگا کہ ان بچوں کو مختلف چیزوں کو گولوں اور حالات روزمرہ کے متعلق قدرتی ہجو میں آزادانہ گفتگو کرنا، چھوٹی چھوٹی تقریریں کرنا سکھایا جائے گا۔ یہی نہیں بلکہ انہیں کہانیاں کہنے والا قصد گو اور درسی کتب میں دیئے ہوئے مناظر کے متعلق ڈراما سکھلا کر اچھا خاصا ایکٹر بنایا جائے گا۔ اور لکھنا پڑھنا سکھایا جائے گا۔ آئیے چلتے چلتے ہم جماعت اول کے اردو نصاب پر ایک نگاہ ڈال لیں اور دیکھیں کہ آیا یہ نصاب ہمارے معیار پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔ قوت اظہار کے سلسلے میں انہیں ذاتی مشاغل کے متعلق گفتگو کرنا تصویروں کے متعلق دلچسپی لینا۔ چھوٹی چھوٹی کہانیاں۔ لطیفے۔ پہیلیاں اور بھارتی کہنا۔ مناظر اور کہانیوں کے متعلق ڈرامہ کرنا۔ دیہاتی گیت۔ انفرادی اور اجتماعی طور پر گانا سکھایا جائے گا۔ پڑھنے میں انہیں تین سو سادہ الفاظ سے روشناس کرایا جائے گا۔ تختیوں پر لکھنا سکھایا جائے گا۔ اور دستی کام کے سلسلے میں مٹی کے

کا ہونا لازم ہے، اسی رپورٹ میں سے ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ لکھا ہے:-

” لیکن مذہبی تعلیم کا مسئلہ مختلف نوعیت کا

ہے۔ یہ تعلیمی بورڈ تعلیم کے ہر مرحلہ پر سیرت

اور شخصیت کی تربیت کی زبردست اہمیت پر

اوپر زور دے چکا ہے اور غالباً اس بات پر

عام اتفاق پائے ہو گا کہ مذہب اپنے وسیع

اور صحیح معنوں میں تعلیم کی بنیاد ہونا چاہئے۔

اگر کوئی نصاب ایسا ہو گا جو اخلاق پر مبنی نہ ہو

تو وہ آخر کار بے اثر ثابت ہو گا۔ اس لئے تعلیمی

سلسلے میں اُن پرائیویٹ مدارس کی اشد

ضرورت رہے گی جو بعض قومی ادارے چلا

رہے ہیں بشرطیکہ وہ ساتھ ہی دینیوی تعلیم

کے اس معیار کو پورا کریں جو حکومت کے

سرکاری مدارس میں رائج ہو۔“

یہ ہیں تفات راہ از کجاست تا یہ کجا!

مرکزی حکومت تو مذہبی تعلیم کو نصاب میں داخل کرنا

ضروری خیال کرے اور ہمارے پاکستان کی صوبائی حکومت

اسے مفروضہ پارٹی گورنمنٹ کی مصلحتوں کی بنا پر اسکیم سے

خارج کرے ہماری وزارت اور ملت اسلامیہ کے لئے جائے غور

ہے۔ یہاں میں یہ کہتے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ مرکزی حکومت

نے آج ۱۹۴۷ء میں اُس بات کو تسلیم کر لیا ہے جو ڈائریکٹر

تعلیم ریاست بہاولپور نے ۱۹۴۷ء میں کہی تھی کہ

” پبلک اسکولوں کا اجرا ایک بڑی غلطی

تھی کیونکہ انہیں خالص دینیوی رنگ دے کر

حکومت نے بالائے التزم دینی تعلیم کو یکسر خارج

کر دیا۔ اور ہندو اور مسلمان ہر دو کو سطحی سی

تعلیم ملنے لگی چاہئے تھا کہ جو قومی مدرسے اور

مکتب موجود تھے انہیں نئے سرے سے اس

قالب میں ڈھال لیا جاتا کہ ضروری حد تک

قومی ادب اور فلسفے کے نصاب کو من و عن

قائم رکھتے ہوئے ساتھ ساتھ مغربی علوم و

ادب کا بھی اضافہ ہو جاتا “

۲۰ جب گلشن کی جمعیت پریشاں ہو چکی

پھول کو باد بہاری کا پیام آیا تو کیا

خیر یہ زود پشیمانی بھی غنیمت ہے۔ اس بحث کے

اختتام پر صوبائی حکومت کو اپنے ریٹائرڈ پرنسپل شیخ عبدالغنی

صاحب ایم۔ اے کے اُن الفاظ کی یاد دلانے بغیر نہیں رہ

سکتا جو انہوں نے ۱۹۴۷ء میں میمورینڈم کے سلسلے میں

اپنی یادداشت میں لکھے تھے۔ اقتباس متعلقہ حسب ذیل

ہے:-

” اس ملک میں مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ آسان

نہیں بلکہ مشکل ہے۔ یہ وہ قوم ہے جو اپنے

شان دار ماضی پر نازاں ہے۔ جسے اپنے

مذہب کا پورا احترام ہے۔ جو غریب ہے،

لیکن ایمان کی دولت سے مالا مال ہے، جو

نیک نیتی سے اپنا وہ سرمایہ محفوظ رکھنا

چاہتی ہے جو اس کی ملی روایات اور ثقافت

کا حامل اور اس کی معاشرتی زندگی کے لئے

مفید ہے۔ اسے اس بات میں تامل ہے کہ

اس ملک کی دوسری قوموں کے ساتھ خوشگوار

تعلقات قائم کرتے ہوئے یہ اپنی پسندیدہ

خصوصیات چھوڑ دینا گوارا کرے۔ اس قوم

کو کوئی ایسا نظام تعلیم مغرب نہیں ہو سکتا

جس میں مفید اور اچھی مغربی تعلیم کے ساتھ

ساتھ اسلام اور اسلامی تمدن کے رنگ میں

ترتیب نہ دی جائے۔ یہ قوم بجا طور پر کیریکٹر

کی تشکیل کو بہت اہمیت دیتی ہے اور انفرادی

سیرت کی صحیح تربیت کو دینی تعلیم کے حصول پر ترجیح دیتی ہے۔“

شیعہ مجتہدین سے ایک سوال

کسی مجتہد سے سوال نہ کیا ہو تو اس کی یاد دہانی کے طور پر ہم یہ سوالات شائع کر کے مجتہدین شیعہ کے جواب کے متناظر ہیں گے اور راجہ صاحب کو بھی دوبارہ توجہ دلاتے ہیں کہ وہ ضرور ان مرتب شدہ سوالات کا مکمل جواب حاصل کر کے اپنی تسلی بھی کر لیں اور ہم کو بھی مطلع کریں۔ (ادارہ)

(۱) کیا یہ صحیح ہے کہ شیعوں کی معتبر اور مستند کتابوں میں دو ہزار سے زیادہ حدیثیں ائمہ معصومین کی اس مضمون کی موجود ہیں کہ قرآن مجید میں پانچ قسم کی تخریف ہو گئی ہے اول یہ کہ حجاب سے آیتیں اور سورتیں نکال ڈالی گئیں۔ دوم یہ کہ حجاب انسانی کلام اس میں شامل کر دیا گیا۔

سوم یہ کہ حجاب اس کے الفاظ بدل دیئے گئے۔ چہارم یہ کہ حجاب اس کے حروف بدل دیئے گئے۔ پنجم یہ کہ اس کی ترتیب خراب کر دی گئی، سورتوں کی ترتیب بھی اور سورتوں کے اندر جو آیتیں ہیں ان کی ترتیب بھی اور آیتوں کے اندر جو کلمات ہیں ان کی ترتیب بھی اور کلمات کے اندر جو حروف ہیں ان کی ترتیب بھی۔

اور یہ زائد از دو ہزار حدیثیں ان تین اقراروں کے ساتھ کتب شیعہ میں ہیں۔ اقرار اول علمائے شیعہ کا یہ کہ حدیثیں متواتر ہیں۔ اقرار دوم علمائے شیعہ کا یہ کہ یہ حدیثیں تخریف قرآن پر صریح الدلائل ہیں۔ اقرار سوم علمائے شیعہ کا یہ کہ ان حدیثوں کے مطابق شیعوں کا عقیدہ بھی ہے۔

(۲) کیا یہ صحیح ہے کہ شیعوں کے یہاں شروع سے لیکر آخر تک اعتقادات سے لے کر اعمال تک کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جس میں مختلف روایتیں نہ ہوں سوا ایک مسئلہ

یکم رجب ۱۳۳۷ھ کو سیال شریف میں عرس کے موقعہ پر راجہ غضنفر علی خاں صاحب سابق پارلیمنٹری سیکرٹری وزارت پنجاب و سابق صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس بھی کہ اپنے کام کے لئے حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو میں راجہ صاحب نے کہا کہ شیعوں پر تخریف قرآن کے قائل و معتقد ہونے کا الزام غلط لگایا جا رہا ہے نہ شیعوں کا عقیدہ ہے اور نہ ہماری کسی معتبر کتاب میں اس کا کوئی ذکر ہے اور اگر مجھے شیعہ مذہب کی کسی معتبر کتاب مثلاً اصول کافی وغیرہ سے دکھلایا جائے۔ تو میں اسی میدان میں شیعیت سے تائب ہو کر کشتی ہو جاؤں گا۔

چنانچہ اسی وقت اصول کافی کی وہ صاف و صریح روایتیں اور عبارتیں ان کے سامنے پیش کی گئیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ مذہب کی بناء پر موجود قرآن مجید بالکل متوقف اور انسانی تصورات کا تختہ متشکک اور ہر طرح ناقابل اعتبار ہے "راجہ صاحب نے صاف و صریح عبارتیں دیکھیں تو مبہوت و حیران رہ گئے۔ کہنے لگے کہ ہاں یہ تو ہے۔ لیکن میں اپنے مجتہدین سے اس کے متعلق پوچھ کر اور جواب معلوم کرنے کی کوشش کر کے پھر اپنی رائے قائم کروں گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ راجہ صاحب نے حسب وعدہ اپنے کسی مجتہد سے اس بارے میں استفسار کر کے جواب مل گیا ہوگا۔ لیکن ضروری ہے کہ اس جواب سے ہم کو بھی مطلع کیا جائے۔ اور نیز راجہ صاحب اب اپنی رائے اور آخری فیصلہ سے بھی ہم کو آگاہ فرمائیں۔ اگر راجہ صاحب نے

(۶) کیا یہ صحیح ہے کہ اہل سنت کی کتابوں سے تحریف قرآن کی ایک روایت بھی مذکورہ بالا تین اقراوں کے ساتھ نہیں پیش کی جاسکی۔

(۷) کیا یہ صحیح ہے کہ اہل سنت محل کے بل بلامختلف تحریف قرآن کے قائل کو کافر اور قطعاً خارج از اسلام کہتے ہیں۔

(۸) کیا احتجاج طبرسی مذہب شیعہ کی معتبر کتاب اور مدرستہ الائمة عظمیٰ لکھنوی میں داخل درس ہے اور کیا اس کتاب میں جناب امیر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس قرآن میں ایسے مضامین بڑا دے گئے ہیں جن سے گمراہی پھیلتی ہے جن سے کفر کے ستون قائم ہوتے ہیں جن میں نبی کی توہین ہے اور درمیان درمیان سے آیتوں کے نکل جانے سے بعض مقامات پر ضنون خط بے ربط ہو گیا؟

(۹) کیا یہ صحیح ہے کہ اصلی قرآن جناب امیر علیہ السلام کے پاس تھا اور اس کو اپنے زمانہ خلافت میں بھی انہوں نے پوشیدہ رکھا اور اب امام مہدی اس قرآن کو لئے ہوئے غار میں پوشیدہ ہیں۔

(۱۰) کیا قرآن کے متعلق شیعوں کی مذکورہ بالا کارروائی دیکھ کر یہ کہنا کہ مذہب شیعہ کی بنیاد عداوت قرآن پر ہے واجب التسلیم ہے؟

تحریف قرآن کے کہ وہ اس اختلاف سے محفوظ ہے و وقوع تحریف کی نوزائد از وہ ہزار روایتیں ہیں مگر عدم تحریف کی ایک روایت بھی نہیں۔

(۱۱) کیا یہ صحیح ہے کہ علمائے شیعہ نے بڑی بڑی مستقل کتابیں تحریف قرآن ثابت کرنے کے لئے لکھی ہیں، جیسے کتاب فصل الخطاب مطبوعہ ایران۔

(۱۲) کیا یہ صحیح ہے کہ شیعوں میں سوا چار اشخاص کے تحریف قرآن کی تمام اقسام کا کوئی منکر نہیں اور کیا ان چاروں کا انکار ازراہ لقیہ ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی زائد از دو ہزار حدیثوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور نہ اپنی تائید میں کوئی حدیث امام معصوم کی پیش کی بلکہ ایسے دلائل سے کام لیا ہے جن سے مذہب شیعہ فنا ہوتا ہے اسی وجہ سے خود علمائے شیعہ نے ان چار اشخاص کے اقوال کو رد کر دیا ہے۔

(۱۳) کیا یہ صحیح ہے کہ جو شیعہ اپنے مذہب کے خلاف تحریف قرآن کا اپنے کو منکر کہتا ہے وہ بھی قائل تحریف کو کا کر گیا مگر گمراہ بھی نہیں کہتا۔

فتاویٰ

مسلمانان پنجاب کی غیرت ایمانی سے اپیل

تحفظ ناموس کلام اللہ کے لئے فوری اقدام کی ضرورت

علیہم الرحمۃ نے تو اس امر کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ عربی رسم الخط کے بغیر کسی دوسرے رسم الخط میں عربی زبان میں قرآن شریف کی کتابت بھی حرام ہے۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسخ قرآن کے اس فتنہ کا فوری افساد کریں۔ ذیل میں علمائے کرام کا فتوہ درج کیا جاتا ہے۔ (مولانا مفتی) محمد حسن (صاحب خطیب عید گاہ خفیه امرت سر

لاہور کے کسی تاجر کتب نے متن کے بغیر قرآن شریف کا اردو ترجمہ عیسائیوں کی تقلید میں لائے کیا ہے جو علماء اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے کیونکہ اصلی وحی کی زبان اس طریق سے غیر محفوظ ہو جاتی ہے اور دوسری زبانیں زمان و مکان کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہیں ایسی حالت میں قرآن کریم کی آیات کو بطور محبت نہیں پیش کیا جاسکتا۔ ابن حجر ابن کثیر اور مالک

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کا فقط ترجمہ بغیر عربی عبارت کے شائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا صرف ترجمہ چھاپنے والا ہی مجرم ہے یا دوسرے خرید و فروخت کرنے والے بھی؟ حال میں پنجاب میں ایک ترجمہ ایسا ہی چھاپا ہے جیسے انجیل وغیرہ کا صرف ترجمہ چھپا ہوا ہے۔

الجواب

قرآن مجید کا صرف ترجمہ بغیر عربی عبارت کے لکھنا اور لکھوانا اور شائع کرنا باجماع امت حرام اور باتفاق ائمہ اربعہ ممنوع و ناجائز ہے جیسا کہ روایات ذیل سے ثابت ہے اور جبکہ اس کا لکھنا اور شائع کرنا ناجائز اور گناہ ہوا تو اس کی خرید و فروخت بھی بوجہ اعانت و معصیت کے ناجائز ہوگی اس لئے اس کا فروخت کرنے والا اور خریدنے والا بھی گناہ گار ہوگا اور لکھنے والے اور شائع کرنے والے کو اپنے عمل کا تو گناہ ہونا ظاہر ہی ہے جتنے مسلمان اس کی وجہ سے گناہ میں مبتلا ہوئے، یا ہنزدہ ہوں گے ان سب کا گناہ اس پر بھی ہوتا ہے گا اور خود اس کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من ابتدع بدعة ضلالة لا یرضاها اللہ ورسولہ کان علیہ من الاثم مثل اثمہ من عمل بها لا ینقص ذلک من او زانہ۔ شیخاً۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ

علامہ حسن شرنبلانی صاحب نور الایضاح جو دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ اور مفتی خفیہ ہیں ان کا ایک مستقل رسالہ اس موضوع پر بنام النفحة القدسیة فی احکام قرأتہ القرآن و کتابتہ بالفارسیہ ہے جس میں اجماع امت اور مذاہب اربعہ سے قرآن مجید کو کسی عجمی زبان میں محض ترجمہ بلا نظم قرآنی عربی کے لکھنے اور شائع کرنے کی حرمت و مخالفت کی ہے اس کی عبارت کا ایک حصہ یہ ہے:-

واما کتابتہ القرآن بالفارسیة فقد نص علیہ فی غیر ما کتاب من کتب ائمتنا الحنفیہ المعتمدۃ منها ما قالہ صاحب الہدایۃ فی کتاب التجنیس والمزید مانصہ ویمنع من کتابتہ القرآن بالفارسیہ بالاجماع لانہ یودی للاخلال بحفظ القرآن لانا امرنا بحفظ النظم والمعنی فانہ دلالة علی النبوة ولا نہ سربما یودی الی لتھاون باموال القرآن انتھی۔ ومنہا ما فی معراج الدراریۃ انہ ینع من کتابتہ المصحف بالفارسیۃ اشد المنع وانہ یکون متعمداً زندقاً وسنذاً کما تمامہ ومنہا فی الکافی انہ لو اسر اذان یکتب مصحفاً بالفارسیۃ ینع۔ ومنہا ما قال فی شرح الہدایۃ فتح القدیر ان اعتماد القراءۃ بالفارسیۃ او اسر اذان یکتب مصحفاً بہا ینع فان فعل ایتہ او ایتین لا۔ فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمتہ جاز۔ انتھی۔ ثم نقل من نقول المذاهب الثلاثة الشافعیۃ والمالکیۃ و الحنابلۃ ما فی معناه۔

اور ۱۳۳۲ھ میں ایسا ہی ایک سوال سیدی حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہ کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا جس پر حضرت والا نے حرمت اور سخت ممانعت کا مفصل دلیل فتویٰ تحریر فرمایا جو حوادث الفتاویٰ حصہ دوم ص ۱۵۷ اور بوادر النواہر ص ۳۳ پر شائع بھی ہو چکا ہے جس میں قرآن و حدیث کے نصوص صریح سے دس وجہ اس طرح کے ترجمہ کی حرمت و ممانعت پر تحریر فرمائی ہیں اور آخر میں تحریر فرمایا ہے:-

”اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَعَاوَنُوا عَلٰی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ اور فقہانے اسی قاعدہ پر یہاں ایک تفریع فرمائی ہے کہ جس شخص کو بھیک مانگنا حرام ہے اُس کو بھیک دینا بھی حرام ہے کیونکہ اگر دینے والے دوسرے نہ ہوں تو مانگنے والا مانگنا حرام دوسرے۔ اس پر ۱۳۱۶ھ

مولانا فاروق احمد صاحب - مفتی دارالعلوم دیوبند -

مولانا محمد حسن صاحب مفتی امرت سر -

مولانا محمد ادیس صاحب کاندھلوی - دیوبند -

مولانا مسعود احمد صاحب - دیوبند -

مولانا سعید احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا حافظ عبداللطیف صاحب مہتمم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا محمود حسن صاحب نائب مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا عبدالرحمن صاحب صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا اسعد اللہ صاحب مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

مولانا جمیل احمد صاحب خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون -

مولانا محمد خلیل صاحب مفتی مدرسہ عربیہ گوجرانوالہ

مولانا عبدالکبیر صاحب مدرس مدرسہ نصرۃ الحق حنفیہ قمر

مولانا عبدالرحمن صاحب مدرس مدرسہ نعمانیہ امرت سر

مولانا محمد حسین صاحب مدرس مدرسہ سلفیہ غزنویہ

تقویت الاسلام امرت سر -

مولانا ظہور الحسن صاحب

کے متعلق بھی سمجھنا چاہیے کہ ایسے ترجمہ کو اگر کوئی شخص نہ
بقیعت لے اور نہ بلا قیئت تو پھر ایسے تراجم کا سلسلہ بند
ہو جائے اور لینے کی صورت میں سلسلہ جاری رہے گا۔ پس
ایسے ترجمہ کا خریدنا یا ہدیہ میں قبول کرنا اعانت ہوگی ایک امر
ناجائز کی، یہ اس لئے بھی ناجائز ہے (اس کے بعد تحریر فرمایا
ہے) جن صاحب نے یہ ترجمہ شائع کر کے اس بدعت کی بنیاد
ڈالی ہے آئندہ ایسا کرنے والوں کا بھی گناہ ان کے نامہ اعمال
میں قیامت تک لکھا جاتا رہے گا اور خود ان کے گناہ میں کوئی
کمی نہ ہوگی“ (بحوالہ حدیث ترمذی وابن ماجہ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا صرف بلا عربی عبارت
کے لکھنا اور چھاپنا اور شائع کرنا اور اس کا فروخت کرنا یا
خریدنا سب حرام و ناجائز اور سخت گناہ ہے مسلمانوں پر واجب
ہے کہ اس رسم بد کے انہاد کے لئے مقدور بھر پوری کوشش
کریں واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ کتبہ الاحقر مفتی محمد شفیع
عفا اللہ عنہ دیوبند۔ یوم عرفہ ۱۳۶۲ھ

اسماء گرامی حضرات علماء کرام جنہوں نے اس فتوے
کی تصدیق میں دستخط فرمائے ہیں :-

مورثہ

خاندان مجددیہ ایک مایہ ناز ہستی کا واقعہ وفات اور مختصر حالات

(از جناب مولوی فاروق احمد صاحب - کلکتہ -)

شاہ محمد معصوم صاحب مجددی نقشبندی مدنی قدس سرہ
نے اس دار فانی سے دار البقا کو رحلت فرمائی اور بروز جمعہ
جنت معلیٰ میں بجوار ام المومنین حضرت سیدتنا خدیجۃ الکبریٰ
رضی اللہ عنہا مدفون ہوئے انا اللہ وانا الیہ راجعون حضرت

نہایت افسوس ہے کہ بتاريخ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۶۳ھ
مطابق ۱۴ اپریل ۱۹۴۷ء شب مبارک جمعہ کو طریقہ عالیہ
نقشبندیہ مجددیہ کے ایک ممتاز رکن حضرت مولانا شاہ محمد
ابوالشرف صاحب (خلف ارشد و جانشین حضرت مولانا

حق سبحانہ آپ کے مراتب و درجات آخرت بلند فرمائے اور جملہ پسماندگان دارالتمہدان طریقت کو اس سانحہ کبریٰ میں توفیق صبر و استقامت بخشے۔ آمین۔

ہندوستان (ریاست رامپور یوپی) سے ۲۳ ستمبر مطابق ۱۹۵۵ء میں اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ آپ نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی اور تقریباً چالیس سال کمال تکین و استقامت محض ارشاد طالبین رہے۔ اس مقدس خاندان کا سلسلہ طریقت تقریباً اکثر اقطار عالم اسلامی مثلاً حجاز، شام، روم، افغانستان، بخارا، تاشکند، ماوراءالنہر، کاشغر، ہندوستان اور چین تک پھیلا ہوا ہے۔ بکثرت مریدین و خلفاء موجود ہیں۔

حضرت شاہ محمد معصوم صاحب قدس سرہ کا اصل وطن مولف دہلی خاندانہ حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ ہے۔ محاربہ ۱۲۵۷ھ سے یہ کُل خاندان حرمین شریفین میں مقیم ہوا۔ اور حضرت موصوف یعنی شاہ محمد معصوم صاحب ۱۲۹۶ھ میں بہ استدعای نواب کلب علی خاں بہادر مرحوم دالی رامپور ہندوستان تشریف لائے اور تقریباً چھتیس سال رامپور میں مقیم رہے۔ نواب صاحب مرحوم اور ان کے بعد ان کے جانشین نواب مشتاق علی خاں بہادر مرحوم نے تازندگی آپکو نہیں چھوڑا اور کمال اخلاص و عقیدت پیش آتے رہے اور آپ کے شایان شان عزت و احترام فرمایا۔ یہ دونوں والین ریاست حضرت موصوف سے شرف انتساب طریقت رکھتے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حرمین شریفین کو ہجرت فرمائی۔ اور بعد وفات حضرت شاہ محمد ابوالشرف صاحب علیہ الرحمۃ جانشین ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نظام دکن کی جانب سے بھی ایک معقول وظیفہ بحیثیت سجادہ نشین آپ کے لئے مقرر تھا جو امید ہے کہ اب بھی آپ کے پسماندگان پر جاری رہے گا۔ چونکہ آپ نے کوئی اولاد ازینہ نہیں چھوڑی ہے۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی خانقاہ (الوقف الصینی الموصوفی)

جسے چند سال پیشتر منجملہ منتسبین طریقت بعض امراء عین نے تعمیر کرایا ہے، آپ کے برادرزادہ مولوی عبدالحمید صاحب مجددی کے زیر انتظام ہے آپ کے برادر حقیقی مولانا شاہ محمد ابو سعید صاحب مجددی اس وقت اپنے والد ماجد کی خانقاہ واقع ریاست رام پور میں قیام پذیر ہیں اور عنقریب حالات راہ درست ہونے پر انشاء اللہ عازم حجاز مقدس ہوں گے۔ حضرت شاہ محمد ابوالشرف صاحب مرحوم علاوہ علم طریقت میں کامل ہونے کے علم شریعت میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ خصوصاً فن ادب و شعر عربی فارسی واروڈ سے خاص شغف رہا۔ متعدد تالیفات مطبوعہ و غیر مطبوعہ آپ کی موجود ہیں۔ تعلیم و تربیت آپ نے اپنے والد ماجد کے دامن عاطفت میں پائی اور دس برس کے سین میں حفظ قرآن سے فارغ ہوئے۔ احکامات حدیث و علوم علاوہ اپنے والد مرحوم کے تین بزرگوں سے خصوصیت سے حاصل ہوئی :- اولاً مولانا فضل الرحمن صاحب مرحوم گنج مراد آبادی، ثانیاً مجاہد فی سبیل اللہ سید احمد الشریف السنوسی، ثالثاً مستند وقت شیخ عبدالحی الکلانی الفاسی الحسنى المغربی۔ فارسی کی تعلیم منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی مرحوم اور ان کے جانشین نواب فصاحت جنگ حافظ جلیل حسن صاحب جلیل کے علاوہ مرزا احمد علی کوکب سے جو کلکتہ کی طرف کے رہنے والے تھے، پائی۔ آپ کا عربی کلام بہت پاکیزہ نزاکت و لطافت شعری لئے ہے، اور آپ کے اردو کلام میں زبان کی حلاوت، محاورات کی بے ساختگی، بندش کی چستی، تخیل کی ندرت، کلام کی شوخی، وغیرہ خاص خصوصیات ہیں۔ انتخاب دیوان شرف جناب حسرت مولوی صاحب نے ۱۹۳۵ء میں کانپور میں طبع کروایا۔ آفتاب شرف اور پنچہ سخن کلکتہ میں چھپے، ان تصانیف کے علاوہ صبح حرم، اور توشہ حقیقت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

کلکتہ۔ ڈاک خانہ پارک اسٹریٹ ۲۳۷
غلام سبحان لین۔ جناب الحاج نزیل النبی
صاحب مجددی المدنی۔

ہماری دعا ہے کہ خداوند کریم اس خاندان عالیشان
کا فیض روحانی ہمیشہ جاری رکھے اور اس سلسلہ عالیہ
کے منتسبین کو اس سے بہرہ ور فرمائے۔
(آمین)

حضرت شرف مرحوم کے بعض قریبی رشتہ دار اور
مریدین کلکتہ میں بھی موجود ہیں اور ان کے بھانجے جناب
الحاج نزیل النبی صاحب مجددی المدنی بھی فی الحال کلکتہ
میں مقیم ہیں۔ پنچہ سخن کے چند نسخے اب بھی ان کے پاس
بچ رہے ہیں جو قدردان حضرات کو بلا قیمت تحفہ مل سکتے
ہیں۔ ڈاک کے ذریعہ منگوانے سے اسٹامپ بھیجنی لازمی
ہے۔ پتہ یہ ہے :-

اطلاعات

دارالعلوم عزیزیہ بھیرہ کے طلبہ کے لئے سون غلہ خریدنے کیلئے کثیر رقم درکار ہے اسال محقق
دیہات سے غلہ فراہم نہیں ہو سکا اس لئے ارکان دارالعلوم اس بارہ میں مشوش ہیں زکوٰۃ و صدقا
کا بہترین مصرف یہی ہے کہ اسکے ذریعہ مفلس طلبہ زیور علم سے آراستہ ہو سکیں جملہ خیر اصحاب غلہ خریدنے میں زکوٰۃ و صدقات کی مدد سے
امداد دے کر ممنون فرمائیں جلد رقم بنام مہتمم دارالعلوم عزیزیہ حزب الانصار بھیرہ ضلع شاہ پور (پنجاب) ارسال ہوں اور معنی آرڈر
کے کوپن پر مصرف کی تصریح ہونی لازمی ہے۔

تبلیغ اسلام۔ ماہ جون میں حضرت امیر حزب الانصار نے سامانہ (ریاست پٹیا لہ) جالندھر۔ لاہور۔ چک ادا اس
سد اکبہ۔ کہوٹ۔ نور خانہ والا (ضلع شاہ پور) چک ۳۷۷ ضلع لائل پور و دیگر مقامات کا دورہ فرمایا۔ مولوی احمد یار صاحب مبلغ
نے اس عرصہ میں ضلع شاہ پور کے جنوبی حصہ کے دیہات کا دورہ کیا۔

جامع مسجد بھادیہ کی مرمت کا کام شروع کر دیا گیا ہے فی الحال کنوئیں کی مرمت اور پانی کی ٹینکی تعمیر ہو رہی ہے
اس پر دو ہزار روپیہ سے زائد صرف ہو گا بعد ازاں میناروں کی مرمت کا کام شروع کرانے کا ارادہ کیا جائے گا۔

یوم خلیفہ رسول اللہ کے جلسے

اسال ۲۲ جمادی الثانی کو ملک بھر میں کئی مقامات پر یوم صدیق اکبرؓ منایا گیا۔ بھیرہ کی کئی مساجد میں قرآن مجید کے ختم ہوئے ایصال
ثواب ہوا۔ بمبئی میں حسب معمول جمعۃ المسلمین کھڈے کی باڑی کی سرپرستی میں بصدارت قاضی ڈاکٹر عبد الحمید صاحب ایم اے پی ایچ ڈی
شاندار جلسہ منعقد ہوا جس میں مولانا عبد الرحیم صاحب فاروقی کی سیرت صدیق اکبرؓ پر تقریر ہوئی۔ میانیاں ضلع شاہ پور۔ ملک وال ضلع گجرات و دیگر
کئی مقامات سے اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ وہاں پر اس تقریب کو شاندار طریقہ سے منایا گیا۔

حضرت امیر حزب الانصار نے ماہ جولائی میں ساہوال۔ غریب وال (ضلع جہلم) کوٹ عیسیٰ شاہ (ضلع جھنگ) سرگودھا۔ عادیوال
(ضلع گجرات) کوٹ مومن چیک ۲۷ شمالی۔ چک ۱۹ شمالی۔ بیربل شریف۔ ہڈالی۔ فردکار (ضلع شاہ پور) پیلاں (ضلع میانوالی) مٹھ
ٹوانہ۔ گنچ منگلپورہ (لاہور) واصواستانہ (ضلع جھنگ) چکوال۔ اوڈھوال (ضلع جہلم) کا دورہ فرمایا۔ ہر جگہ تبلیغی جلسے منعقد
ہوئے اور اسلام کا پیغام پہنچایا گیا
(مہتمم)